© rasailojaraid.com

محمد عمر فاروق

لہو کی پکار

غریب ہونا جرم نہیں لیکن غربت کی سزا بڑی کڑی ہوتی ہے۔ جہاں دولت اور جاگیر کے بل بوتے پر وحشت و درندگی کے ناٹک کھیلے جاتے ہوں، وہاں غربت اور شرافت ناکردہ گناہوں میں شمار ہوتے ہیں۔ سفاک درندوں کے جبر وقہر کے آگے عزت وعصمت کا تقدس خاک میں مل جانا جہاں روز کا معمول ہو اور انسان کی زندگی کتے سے بھی بدتر سمجھی جاتی ہو، وہاں رحم اور خدا خوفی اپنے معنی و مفہوم کھودیتے ہیں۔ خدا کی زمین پر خدائی کے دعویدار فرعونوں اور نمرودوں کو جب کوئی باختیار قوت کھل کھیلنے سے نہ روکے تو پھر نہ مخلوق خدا کی زندگی محفوظ رہتی ہے اور نہ ہی ان کی عزتیں پامال ہونے سے بچ سکتی ہیں۔ جاگیردارانہ مظالم کی زندہ مثالیں سندھ کے ہاریوں اور سرائیکی بیلٹ کے مظلوم خاندانوں، بلوچی و سرحدی سرداروں اور خوانین کے ستم رسیدہ کسانوں اور پنجابی وڈیروں کے پشتینی خدمت گزاروں کی صورت میں دیکھی جاسکتی ہیں

دوسری طرف غربت کے جرم میں غریبوں کی زندگیاں علاقائی سیاسی جتھے بازوں کے جوتوں کے تسمے کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں۔ غریبوں کے بے جان جسموں پر سیاست کی دوکان چمکانے والے ظالم سیاستدانوں نے اپنے پالتوؤں کے ذریعے سے غریبوں کی عزت و ناموس پامال کرنے کو پیشہ بنا رکھا ہے۔ غریب جائے تو کہاں جائے؟ وہ مصائب بھرے ماحول میں آنکھ کھولتا ہے۔ جیتا ہے تو دکھ جھیلتا ہے اور مرتا ہے تو عذابوں کے پہاڑ اس کی نسلوں کی پشت پر لد جاتے ہیں۔ ستم زدگان کی روح فرسا داستانیں روز اخبارات کی زینت بنتی ہیں۔ مگر مجال ہے کہ حکومتی اہلکاروں کے جذبات ان سے متاثر ہو پائیں۔ جذبات تب ہی اثر قبول کرتے ہیں کہ جب سینے میں انسانی ہمدردی کا کوئی گوشہ موجود ہو۔ لیکن بے حسی اور لاپروائی نے ارباب اختیار کے دلوں کو پتھر سے بھی کہیں زیادہ سخت کر ڈالا ہے اور پتھر کبھی احساس کی صلاحیت سے بہرہ ور نہیں ہوا کرتے۔ الٹا وہ تکلیف و آزار کا باعث ہی بنا کرتے ہیں۔ کبھی سنگ باری کی شکل میں اور کبھی سنگ گراں کی صورت میں۔

ضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں کی سولہ سالہ حافظ قرآن بچی عاصمہ، جس نے عزت بچانے کے لیے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔ اس کی دردناک کہانی روزنامہ "پاکستان" کے صفحات پر تفصیلاً شائع ہوئی ہے۔ جس کے مطابق حافظہ عاصمہ رفیق آٹھویں جماعت کی طالبہ تھی۔ اس کا والد کینسر میں مبتلا ہو کر لاہور کے ایک ہسپتال میں داخل تھا۔ اور وہ گھر میں تنہا تھی۔ کہ گاؤں کا ایک بدمعاش گھر میں گھس آیا اور اس معصومہ کی عزت لوٹنے کی کوشش کی۔ لیکن اس باغیرت و باحیا بچی نے کوئی راہ نہ پا کر اپنے آپ کو آگ لگالی۔ انتہائی تشویشناک حالت میں اسے الائیڈ ہسپتال فیصل آباد لایا گیا۔ جہاں اس کی غربت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مجرموں کا اثر ورسوخ آڑے آیا۔ وہ ڈاکٹروں کی بے توجہی اور مناسب علاج معالجہ اور مناسب غذا نہ ملنے سے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہوگئی۔ ۱۷۔ فروری ۲۰۰۱ء کو عاصمہ نے ایک خط کے ذریعے جنرل پرویز مشرف اور چیف جسٹس سمیت تمام اعلیٰ حکومتی شخصیات سے انصاف کی اپیل کی، مگر لا حاصل؟ آخر ۲۰ فروری ۲۰۰۱ء کو انصاف کا راستہ تکتے تکتے اس نے جان کی بازی ہار دی۔ بعد ازاں اس واقعہ پر لینڈ امیں مقیم ایک دردمند پاکستانی نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے نام ایک خط لکھا، جس پر چیف جسٹس نے ازخود کارروائی کرتے ہوئے غفلت کے مرتکب حکام کے خلاف کارروائی کا حکم جاری کر دیا ہے۔ جبکہ ایڈووکیٹ جنرل پنجاب سے ذاتی طور پر عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ ایس پی شیخوپورہ سے یہ جواب طلب کیا ہے کہ مرحومہ کی عزت پر حملہ آور ہونے والے ملزم کے خلاف اب تک کیا کارروائی کی گئی ہے؟ عدالت کا بے آسرا بچی کی ہلاکت پر ازخود نوٹس لینا انتہائی قابلِ داد قدم ہے۔ اور متعلقہ حکام سے جواب طلب کرنا ہر لحاظ سے بجا ہے۔ کیونکہ اگر مقامی عملہ اپنے فرائض ٹھیک ٹھیک اداء کرتا تو ملزم ضرور اپنی سزا کو پہنچتے۔ اور اگر ڈاکٹر انسانیت کے ناطے علاج سے غفلت نہ برتتے تو ایک قیمتی جان کے بچ جانے کی امید کی جا سکتی تھی۔ لیکن یہاں کون سا شعبہ، زندگی ایسا ہے کہ جس کے متعلق یقین کیا جا سکے کہ وہ کسی اصول وضابطے کے تحت چل رہا ہے۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام پیسے اور سفارش کے بغیر ہونا ممکن ہی نہیں ہے اور پھر سب سے بڑھ کر انسانی جان کا مسئلہ انتہائی خود غرضی اور مادی خواہشات کے شکنجے میں اس بری طرح آ چکا ہے کہ اب انسانی حقوق کی پاسدار پولیس کا محکمہ، انصاف مہیا کرنے کی ذمہ دار عدالتیں ہوں یا جان ومال کے تحفظ کی ذمہ دار حکومتیں، کہیں بھی غریب (انسان) کی شنوائی ممکن ہی کہاں ہے۔ جہاں دھن دولت معبود کا درجہ اختیار کر لیں اور اختیارات کی لامحدودیت بے گناہوں پر دن رات کوڑے کی طرح برستی ہو۔ وہاں امتیازی تفریق کے خاتمے اور عدل وانصاف کی توقع کوئی فاتر العقل ہی کر سکتا ہے۔

حافظہ عاصمہ مرحومہ کا خون بے گناہی پکار پکار کر اس انسانیت کے قاتل اور مجرم نظام کی بہیمیت کی گواہی دے رہا ہے۔ اے کاش کہ ہمارے حکمران جو عبوری آئین کے ذریعے اپنے شخصی اختیارات بڑھانے میں مصروف ہیں۔ وہ بھی اپنے اختیارات کا رخ عوام کو کچلنے کی بجائے ملکی اداروں کی اصلاح کی جانب کر لیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر کسی بیٹی کو اپنی عزت کی حفاظت کے لیے خودسوزی کی ضرورت پیش آئے گی۔ اور نہ ہی کوئی بدمعاش کسی حوازادی کو میلی نظروں سے دیکھ سکے گا۔ بخدا خلق کی آواز پر کان دھرنے والے حکمران جسموں پر ہی نہیں دلوں پر بھی حکمرانی کرتے ہیں اور جو دلوں میں نہ اتر سکیں، انہیں دھرتی بھی پناہ نہیں دیتی۔ شہنشاہ ایران اور سکندر مرزا کی وطن بدری اور در بدری ابھی کل ہی کی بات ہے۔

''عبرت پکڑو، اگر تم آنکھیں رکھتے ہو'' (القرآن)

© rasailojaraid.com